© rasailojaraid.com

مانوس اجنبی

ڈاکٹر خورشید رضوی

اس بار جدہ میں قیام کے دوران ۹/ اکتوبر ۲۰۰۹ء کو اردو مرکز جدہ کے فعال رکن ڈاکٹر عرفان ہاشمی صاحب کے اصرار پر ان کے گھر اردو مرکز کے ایک مختصر اجلاس میں بطور مہمان مقرر حاضری کا موقع ملا۔ ''اقبال کے ہاں انسان بمقابلہ کائنات'' موضوعِ گفتگو تھا۔ گفتگو کے دوران اس روز کے پچیس تیس سامعین میں اکثر جانی پہچانی صورتوں میں ایک چہرہ میرے لیے اجنبی تھا۔ یہ چہرہ نوجوان نہ سہی، جوان ضرور تھا۔ گورا چٹا، سیاہ ریش کے حاشیے میں روشن روشن۔ مجھے تجسس ہوا کہ شعرو ادب کی محفل میں یہ مولوی صاحب کون ہیں؟ گفتگو کرتے کرتے جب اس چہرے پر نظر پڑتی تو اس سے پھوٹتی ہوئی ذہین مسکراہٹ اور چمکتی ہوئی فطین آنکھیں اس کے باذوق ہونے کی غمازی کرتیں۔ گفتگو سے فراغت ہوئی تو ایک مختصر سی شعری نشست کا آغاز ہوا اور جب اپنی باری پر ان باریک روشن لبوں سے آزاد نظمیں سنیں تو تجسس اور بڑھ گیا۔ مجلس برخاست ہوئی تو یہ تابناک چہرہ چل کر خود میرے پاس آ بیٹھا اور صاحب خانہ نے تعارف کراتے ہوئے کہا: ''یہ ہیں ذوالکفل بخاری، عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ کے نواسے۔''

ذوالکفل بخاری کا نام میرے لیے اجنبی نہ تھا۔ میرے مرحوم دوست عابد صدیق کا ملتان میں بہت عرصہ قیام رہا اور عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب کے گھرانے سے ان کے گہرے مراسم تھے۔ عابد ہی کے ساتھ ایک بار عطاء المحسن شاہ صاحب سرگودھا میں میرے غریب خانے پر تشریف لائے تھے۔ اب عابد کا لائق فرزند حافظ صفوان محمد، شاہ جی کے خانوادے کی اگلی پیڑھی سے منسلک ہے۔ اگر پدر نتواند پسر تمام کند۔

حافظ صفوان محمد کے ذوالکفل سے بہت گہرے دوستانہ مراسم تھے۔ چنانچہ اور بہت سے لوگوں کے علاوہ میں نے ذوالکفل کا غائبانہ تذکرہ صفوان سے متعدد بار سن رکھا تھا۔ برادرم زاہد منیر عامر بھی ذوالکفل کا ذکر کیا کرتے تھے۔ پھر مجھے یہ معلوم ہوا کہ ذوالکفل سعودی عرب چلے گئے ہیں۔ چنانچہ اس روز جب ان سے تعارف ہوا تو گویا ایک ''مانوس اجنبی'' سے ہوا جو میرے لیے محتاجِ تعارف نہ تھا۔

مجھے ذوالکفل سے مل کر بہت خوشی ہوئی اور بہت جلد طبیعت ان سے ہم آہنگ ہوگئی۔ میرے شعری مجموعے امکان کا نسخہ اس وقت موجود تھا وہ میں نے ذوالکفل کو دیا۔ وہ بھی مجھ سے مل کر بہت خوش نظر آ رہے تھے کیونکہ بعض مشترک احباب کی وساطت سے وہ بھی غائبانہ مجھ سے اچھی طرح واقف تھے۔

اسی وقت مغرب کی اذان ہوگئی۔ ڈرائنگ روم کے ساتھ والے کمرے میں صفیں بچھا دی گئیں اور امامت کا قرعہ ذوالکفل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے نام نکلا۔ میں نے بھی ان کی اقتدا میں نماز ادا کی۔ پھر چائے کا دور چلا۔ اور جب ہم ڈاکٹر صاحب کے گھر سے نکل کر سڑک پر ایک دوسرے سے رخصت ہونے والے تھے، ذوالکفل نے قریب آ کر مجھ سے پوچھا کہ خیبر میں جس مرحب سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقابلہ ہوا تھا اُس کے نام کا تلفظ ''مَرْ حَبْ'' بلاتشدید ہے یا ''مُر حَّب'' تشدید حاء سے۔ میں نے پوچھا کہ مشدّد تلفظ کا گمان اُنھیں کیونکر ہوا؟ اُنھوں نے غالبًا رجز کے کسی مصرعے کے حوالے سے کہا کہ اُس میں شاید بلاتشدید وزن میں ٹھیک نہیں بیٹھتا۔ میں نے کہا کہ میرے ذہن میں تو بلاتشدید ہی ہے۔ اگر ہو سکے تو رجز کا وہ مصرع مجھے بتائیے۔ واپس آ کر میں نے غالبًا لسان العرب سے توثیق کر کے اپنے بیٹے عامر سے کہا کہ وہ ٹیلی فون پر ذوالکفل کو بتا دیں کہ یہ نام ''مَرْ حَبْ'' بلاتشدید ہی ہے۔

ذوالکفل مکہ مکرمہ میں یونیورسٹی میں پڑھا رہے تھے۔ جدہ اُن کا آنا کبھی کبھار ہی ہوتا تھا۔ چنانچہ تقریبًا دو ماہ کے طویل قیام کے باوجود اُن سے جدہ میں دوبارہ ملاقات نہ ہو سکی۔ اِسی اثناء میں مجھے مدینہ منورہ حاضری دینے کے بعد، (وزٹ ویزہ رکھنے کے سبب) وہاں سے خیبر اور مدائنِ صالح جانے کا بھی اتفاق ہوا۔ اور جب میں واپس جدہ پہنچا تو شاہ عبدالعزیز یونیورسٹی کی لائبریری جا کر مدائنِ صالح کے آثار کے بارے میں مختلف مآخذ سے مواد جمع کرنے کی دھن سی لگ گئی۔ جو جو حوالہ ملتا جاتا میں پرانے ریکارڈ سے اُس کی جستجو کرتا اور لائبریری کے ایک سینئر پاکستانی کارکن محمد رفیق صاحب کی وساطت سے مجھے عرب سٹاف کا بھی بے حد تعاون حاصل رہا۔ دیگر بہت سے مآخذ میں بکھرے ہوئے مضامین مجھے مل گئے اور اُن کا عکس بھی بنوا دیا گیا۔ مگر رسالہ العرب کا سارا ریکارڈ بار بار دیکھنے کے باوجود حمد الجاسر کا مضمون لیس الحجر مدائن صالح کا سراغ نہ مل سکا جو جولائی-اگست ۱۹۷۸ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا۔ سوءِ اتفاق سے یہی شمارہ ریکارڈ سے غائب تھا۔ مجھے اِس مضمون کے دیکھنے کا بہت اشتیاق تھا۔ خیال آیا کہ مکہ یونیورسٹی کے کتب خانے میں بھی تو رسالہ العرب کا ریکارڈ موجود ہوگا۔ میں نے عامر سے کہا کہ ذوالکفل سے رابطہ کر کے اُنھیں اِس شمارے کی تفصیلات لکھوا دیں۔ ممکن ہے وہ اسے تلاش کر سکیں۔

کچھ عرصے بعد جب میں پاکستان واپسی سے قبل اپنی اہلیہ کے ہمراہ حرم شریف میں حاضر ہوا تو ہم نے ایک رات وہیں فندق الکعکی میں گزاری جو بابِ عبدالعزیز سے نکل کر قریب ہی پیدل مسافت کی حد میں سڑک کے کنارے واقع ہے۔ ہماری واپسی نمازِ عصر کے معًا بعد ایک دوست کے ساتھ تھی۔ اور یہ طے تھا کہ حرم شریف میں نماز ادا کرنے کے بعد ہم تیزی سے ہوٹل پہنچیں اور لابی میں مستعد رہیں۔ وہ گاڑی لا کر سڑک کے کنارے بس ذرا دیر کو روک سکیں گے۔ ہم فی الفور سوار ہو جائیں تا کہ پولیس والے وہاں گاڑی کھڑی رکھنے پر مزاحم نہ ہوں۔ اسی روز ظہر کے آس پاس عامر نے فون پر مجھے بتایا کہ ذوالکفل کا فون آیا تھا۔ اُنھوں نے وہ مضمون ڈھونڈ نکالا ہے اور اُس کا عکس بنوا کر لے آئے ہیں۔ اور جب میں نے بتایا کہ آپ مکہ مکرمہ ہی میں ہیں تو ذوالکفل خوش ہوئے اور کہا کہ واپسی سے قبل وہ آپ سے مل کر دستی طور پر یہ عکس آپ کے حوالے کر دیں گے۔ میرا موبائل نمبر عامر نے ذوالکفل کو دے دیا تھا اور اُن کا نمبر مجھے بتا دیا تھا۔

یہ ۲۸/ اکتوبر ۲۰۰۹ء کی بات ہے۔ سعودی کیلنڈر کے حساب سے ذیقعدہ کی غالبًا ۹/ تاریخ تھی۔ حرم شریف میں حجاجِ کرام کا ہجوم خاصا بڑھ چکا تھا۔ نمازِ عصر بابِ عبدالعزیز کی جانب سے صحنِ مطاف میں اترنے والی سیڑھیوں سے پہلے ہی برآمدے کی صفوں میں ادا کی۔ عصر کے بعد ایک نمازِ جنازہ کا اعلان ہوا۔ اِس کی نیت باندھی تھی کہ میرا موبائل بجنا شروع ہوگیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں سمجھ گیا کہ یہ ذوالکفل کی کال ہے۔ سلام پھیرتے ہی اُن سے رابطہ کیا اور صورتِ حال بتائی کہ میں فی الفور ہوٹل جا رہا ہوں اور جس لمحے وہ دوست آ جائیں گے اُسی لمحے میرے لیے سوار ہو کر نکل جانا ضروری ہوگا۔ ذوالکفل نے کہا کہ وہ بہت جلد وہیں آ رہے ہیں اور روانگی سے قبل ضرور مجھ سے ملاقات کی کوشش کریں گے۔ میں لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا ہوٹل پہنچا اور لابی میں اُن کا منتظر رہا۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا ایک گونہ اضطراب پیدا ہو رہا تھا کہ کہیں ہمارے کرم فرما کی گاڑی ذوالکفل سے پہلے نہ آ جائے۔ میں نے بار بار لابی سے نکل کر سڑک پر نظر دوڑانا شروع کی۔ اچانک ایک گاڑی فٹ پاتھ کے برابر آ کر رکی۔ ایک نوجوان گاڑی چلا رہے تھے۔ وہ احتیاطاً اپنی نشست پر بیٹھے رہے اور وہیں سے ہاتھ ہلا کر مجھے سلام کیا۔ ذوالکفل برابر کی نشست سے مسکراتے ہوئے اترے اور آ کر مجھ سے ملے۔ مضمون کا عکس اُن کے ہاتھ میں تھا۔ وہ اُنھوں نے میرے حوالے کیا اور وہیں سڑک پر کھڑے کھڑے ہمارے درمیان مختصر سی گفتگو ہوئی۔ میں نے اُن کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ افسوس ہے اِس عاجلانہ ملاقات میں ہم اِتنا بھی نہیں کر سکتے کہ ایک پیالی چائے مل کر پی لیں۔ اُنھوں نے بڑی محبت کا اظہار کیا اور کہا کہ کل شام جدہ میں جو شام میرے ساتھ منائی جا رہی ہے اُس کی اطلاع اُنھیں مل گئی ہے اور وہ کوشش کریں گے کہ اِس میں شرکت کے لیے آئیں اور اطمینان سے ملاقات ہو سکے۔ افسوس کہ اُن کا یہ ارادہ پورا نہ ہو سکا۔

میں نے ذوالکفل کے دیے ہوئے مضمون کی پہلی قراءت جدہ واپسی کے دوران گاڑی میں ہی مکمل کر لی۔ اُن کے اِس اخلاص نے میرے دل میں گھر کر لیا اور میں آئندہ اُن سے بہت سی ملاقاتوں کی توقع دل میں لے کر پاکستان آ گیا۔ میں اُن سے ایک دلی تعلق محسوس کرنے لگا تھا۔ مگر اِس تعلق کی شدت کا صحیح اندازہ مجھے ۱۵/ نومبر ۲۰۰۹ء کو اُس وقت ہوا جب عامر نے اچانک جدہ سے فون کر کے مجھے ذوالکفل کی وفات کی اطلاع دی۔ ظاہر ہے میں کسی طرح اِس خبر کے لیے تیار نہیں تھا۔ میں نے بوکھلا کر پوچھا ''کیوں، کیا ہوا، کیا دل کا عارضہ تھا؟'' عامر نے کہا ''نہیں۔ پولیس کی ایک تیز رفتار گاڑی اُن کی گاڑی سے ٹکرا گئی۔'' انا للہ وانا الیہ راجعون۔ طبیعت سناٹے میں آ گئی۔ یوں تو وفات کی ہر خبر دل پر کچھ نہ کچھ اثر چھوڑتی ہے مگر ذوالکفل کی وفات سے جیسے ذاتی نقصان کا احساس ہوا اُس سے پہلے صرف ہندوستان کے بے مثال غزل گو جناب عرفان صدیقی کی رحلت پر ہوا تھا اور عجیب اتفاق ہے کہ اُن سے بھی میری ملاقات نہایت مختصر تھی۔ ذوالکفل کی ذات اُس پھوٹتے ہوئے بیج کے مانند تھی جس میں امکانات کا ایک تناور درخت سانس لے رہا تھا۔ یہ سب روشن روشن امکانات اُس روشن چہرے کے ساتھ ہی بجھ گئے۔

اِس سانحے کی جانکاہ خبر سننے کے بعد میں نے پہلا فون حافظ صفوان کو کیا اور چند ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں اُس کے غم میں شرکت کی جو یقیناً مجھ سے بہت زیادہ تھا کہ صفوان اور ذوالکفل تو گویا یک جان و دو قالب تھے۔ بعد ازاں صفوان نے مجھے مزید تفصیلات اگلے روز تک بتائیں کہ ۱۶/ نومبر کو نمازِ فجر کے بعد حرم شریف میں نماز جنازہ ادا کی گئی اور جنت المعلیٰ کے پرانے قبرستان میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی پائنتی کی جانب جگہ ملی۔

یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

ذوالکفل نے ام القریٰ میں جان جانِ آفریں کے سپرد کی اور ام المومنین رضی اللہ عنہا کے قدموں میں جگہ پائی۔

سب جانتے ہیں ماں کے قدموں میں کیا ہوتا ہے۔

© rasailojaraid.com